۲ جولائی ۲۰۱۳

السلام وعلیکم

جناب میں تقریباً ۸ سال سے دیارِ کفر (North America) میں اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پزیر ہوں اور کرائے کے مکان میں رہتا ہوں۔ وہاں پر ایک مسلہ یہ ہے کے اکثر مالک مکان ایک مہینے کے نوٹس دے کر مکان خالی کرواسکتے ہیں اپنی مرضی سے پھر ہم کو دوبارہ مکان تلاش کر کے شفٹ ہونا پڑتا ہے۔

اگر میں وہاں پر اپنا مکان کیش پر خریدنا چاہوں تو ۲۰ سے ۲۵ سال میں بھی نہیں خرید سکتا کیونکہ وہاں پر مکان کی قیمتیں اتنی زیادہ ہیں اور دوسرے اخراجات کی وجہ سے گنجائش نہیں ہو پاتی۔

برائے مہربانی مجھے قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کیا میں وہاں پر دیارِ کفر (North America) میں کسی Bank / Leasing Company سے Loan / Mortgage پر جو کہ سود کے ساتھ ہوگا مکان خرید سکتا ہوں؟

جو کہ صرف میری اپنی فیملی کے رہائش کی غرض کے لیے نہ کے کوئی کاروبار کے لیے۔ اس طرح سے میں اپنا مکان لے سکتا ہوں اور جو میں کرائے کی مد میں رقم دیتا ہوں وہی رقم میری قسطوں (Installment) میں چلی جائے گی جس میں سود (Interest) کا حصہ بھی شامل ہوگا۔

امید کرتا ہوں آپ جلد از جلد قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں گے تا کہ میں اپنی فیملی کے لیئے صحیح فیصلہ کرسکوں۔

السلام وعلیکم

سید اظہر اقبال

C/o اشفاق احمد خاں غوری

R-471, Sector 9, North Karachi

Karachi-75850

Email : akghauri@gmail.com

دفتر کمیٹی الشریعۃ

(جواب منسلکہ اوراق پر ملاحظ فرمائیں)

Scanned by CamScanner

مغربی ممالک میں ذاتی گھر کے لیے سود پر قرض لینے کے بارے میں استفسار

محترم و مکرم سیدنا و محبوبنا حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ایک استفتاء اوپر معنون مسئلہ کے بارے میں آیا ہوا ہے، پہلے بھی اس بارے میں استفتاء آتے رہے ہیں۔ چونکہ اس مسئلہ کے کافی وشافی جواب کے لیے مغربی ممالک کے واقعی احوال کا پورا ادراک ضروری ہے، اس لیے دار الافتاء میں اس مسئلہ پر بحث کے دوران یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس بارے میں حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم کی رائے معلوم کرلی جائے۔

مستفتین کے مطابق اور جتنا ہم نے وہاں کے حضرات سے معلوم کیا صورتحال یہ ہے کہ ایک اوسط آدمی کے لیے کسی قسم کا قرض یا فائیننس لیے بغیر اپنا ذاتی گھر خریدنا تقریبا ناممکن ہے۔ لہذا وہ اور اس کے بچے ساری زندگی کرایہ کے گھر میں رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ کرایہ کی مد میں جو رقم ادا کرتے ہیں، وہ قرض کی قسطوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے خاندان بھی بڑے ہوتے ہیں اس لیے وہ گھر جلد ناکافی ہو جاتا ہے۔ پھر تنخواہ کا ایک معتدبہ حصہ ساری زندگی کرایہ ادا کرتے گزر جاتا ہے، اور دیگر حوائج یا ضروریات کے لیے رقم نہیں بچ پاتی۔

ان حالات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذاتی گھر کے لیے قرض لینے کی "حاجت" بظاہر متحقق ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا استقراض بالربح کا جواز حاجت کی بناء پر بھی ممکن ہے یا دیگر محرمات اصلیہ کی طرح اس کا جواز صرف 'اضطرار' کی صورت میں ہی ہوگا؟

1. اگرچہ فتاوی عثمانی میں حضرت نے اس کے عدم جواز کا قول فرمایا ہے اور اس کا متبادل کسی اسلامی عقد کی صورت میں تجویز بھی فرمایا ہے۔ لیکن خیال یہ ہوا کہ شاید یہ حضرت کی قدیم رائے ہو، اس لیے موجودہ رائے معلوم کرلی جائے۔ دوسری بات یہ کہ بہت سے مقامات پر ابھی غیر سودی مالیاتی ادارے مفقود ہیں، اور مروجہ بینکوں سے شرعی عقد کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس صورت میں کیا کیا جائے؟
2. "المجلس الاوربي للافتاء و البحوث" نے بھی اس کی محتاط و مشروط گنجائش صرف ایک مرتبہ اور وہ بھی ذاتی گھر لینے کے لیے دی ہے۔ اس لجنہ میں بعض معتبر و ثقہ علماء شامل ہیں، جن کا فتوی منسلک ہے۔
3. مفتی برکت اللہ صاحب برطانیہ، سے رائے معلوم کی تو انہوں نے اپنی رائے تحریرا بھیجی ہے، اس میں بھی مشروط گنجائش ہے۔ انگریزی تحریر منسلک ہے۔
4. قنیہ کا جزئیہ "يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح" بحر میں بغیر بحث کے نقل ہے، منحۃ الخالق میں اس پر کوئی کلام نہیں۔ اشباہ نے اس جزئیہ کو "قد تنزل الحاجة منزلة الضرورة" کے تحت نقل کیا۔
5. مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے دار الحرب اور دار الامن پر تفصیلی کلام کرنے کے بعد مسئلہ مما نحن فیہ سے متعلق لکھا ہے:

"(الف) عام حالات میں معیار زندگی کی بلندی اور خوب سے خوب تر کی تلاش کے پیش نظر سودی قرضہ لینا جائز نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

Scanned with CamScanner

(ب)ضرورت یعنی ایسے حالات جب کہ کھانے، کپڑے، علاج وغیرہ کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے سودی قرض کے سوا چارہ نہ رہے اور فاقہ مستی کی نوبت ہو تو سودی قرض لینا جائز ہے۔

(ج)حاجت کے تحت بھی یعنی جب سودی قرض نہ لینے کی شکل میں شدید مشقت یا ضرر کا اندیشہ ہو تو بھی سودی قرض لینے کی گنجائش ہوگی ،جیسے غیر شادی شدہ لڑکیوں کی شادی کے لیے اس پر مجبور ہو یا انکم ٹیکس وغیرہ کے ناواجبی قانون سے بچنے کے لیے ایک قانونی ضرورت بن گئی ہو۔"[استدلال میں اوپر مذکور قنیہ کی عبارت بھی نقل کی گئی ہے]

(جدید فقہی مسائل:ج۴/ص۵۶)

6. بعض دیگر عرب علماء نے بھی مشروط گنجائش دی ہے، یہ حضرات "المشقة تجلب التيسير"، "الحرج مدفوع" وغیرہ جیسے عمومی قواعد فقہیہ سے بھی استیناس کرتے ہیں۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں 'اعطاء الربو' کو 'اعطاء الرشوۃ' سے ملحق کیا گیا ہے۔

7. البتہ امداد الفتاوی کے ایک جواب سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس امر خطیر کی گنجائش فقط اضطرار کی حالت کے میں ہے۔

"جواب: جو لوگ سودی روپیہ لیتے ہیں جہاں تک دیکھا گیا فضول کے لیے لیتے ہیں۔۔۔ اگر ضرورت ہو تو وہ ضرورت یوں بھی پوری ہو سکتی ہے کہ اول سب چیزیں بیچ ڈالیں۔۔۔ پھر ان سب کے بعد ایسے اضطرار کے وقت مردار کھانا، بھیک مانگ لینا درست ہے، پس سود پر قرض لینے کی کسی حالت میں ضرورت نہیں ہے، اس لیے یہ گناہ گار ہوگا۔ فقط واللہ اعلم" (امداد الفتاوی:۳/۱۴۷)

عبارت: "اکثر فضول کے لیے لیتے ہیں" سے یہ خیال ہو رہا ہے کہ مذکورہ فتوی میں سد الذریعہ کے طور پر شدت اختیار فرمائی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر لوگوں کی مشکلات اور بعض علماء کی طرف سے جواز کے فتاوی کو دیکھا جائے تو گنجائش کی طرف رجحان ہوتا ہے، دوسری جانب معاملہ ربوٰ کا ہے، جو بہت نازک ہے۔ اتنے نازک مسئلہ میں حضرت دامت برکاتہم جیسی معتمد شخصیات سے ہٹ کر گنجائش دینے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ لہذا حضرت سے درخواست ہے کہ اپنی قیمتی رائے سے آگاہ فرمائیں۔

جزاکم اللہ تعالی خیرا واحسن الجزاء فی الدارین

البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري - (6/ 137) :

وفي القنية من الكراهية لا بأس بالبيوع التي يفعلها الناس للتحرز عن الربا ثم رقم آخر هي مكروهة ذكر البقالي الكراهة عن محمد، وعندهما لا بأس به قال الزرنجري خلاف محمد في العقد بعد القرض أما إذا باع ثم دفع الدراهم لا بأس بالاتفاق. اهـ.

وفي القنية من الكراهية يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح اهـ.

الأشباه والنظائر لابن نجيم (ص: 91)

السادسة: الحاجة تنزل منزلة الضرورة ، عامة كانت أو خاصة ،

وفي القنية والبغية:يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح (انتهى)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

الخلاصة في فقه الأقليات لعلي بن نايف الشحود – (ج 3 / ص 27) :

وقد أكّد المسلمون الذي يعيشون في هذه الديار بالسماع المباشر منهم وبالمراسلة: أن الأقساط التي يدفعونها للبنك بقدر الأجرة التي يدفعونها للمالك بل أحياناً تكون أقل. ومعنى هذا أننا إذا حرّمنا التعامل هنا بالفائدة مع البنك حرمنا المسلم من امتلاك مسكن له ولأسرته، وهو من الحاجات الأصلية للإنسان كما يعبّر الفقهاء، وربما يظل عشرين سنة أو أكثر يدفع إيجاراً شهرياً أو سنوياً ولا يملك شيئاً على حين كان يمكنه في خلال عشرين سنة – وربما أقل – أن يملك البيت.

فلو لم يكن هذا التعامل جائزاً على مذهب أبي حنيفة ومن وافقه لكان جائزاً عند الجميع للحاجة التي تنزل أحياناً منزلة الضرورة في إباحة المحظور بها.

ولاسيما أن المسلم هنا إنما يؤكل الربا ولا يأكله، أي هو يعطي الفائدة ولا يأخذها والأصل في التحريم منصب على (أكل الربا) كما نطقت به آيات القرآن، وإنما حرم الإيكال سداً للذريعة كما حرمت الكتابة له والشهادة عليه فهو من باب تحريم الوسائل لا تحريم المقاصد.

ومن المعلوم أن أكل الربا المحرّم لا يجوز بحال، أما إيكاله – بمعنى إعطاء الفائدة – فيجوز للحاجة، وقد نصّ على ذلك الفقهاء وأجازوا الاستقراض بالربا للحاجة إذا سدت في وجهه أبواب الحلال.

ومن القواعد الشهيرة هنا : أن ما حرم لذاته لا يباح إلاّ للضرورة، وما حرم لسد الذريعة يباح للحاجة، والله الموفق.

وتعليقنا على هذا القرار : نقول عنه باختصار إنه لا يبيح التعامل بإطلاق بالربا في ديار غير المسلمين كما هو مقتضى مذهب أبي حنيفة ومن قال بقوله لكنه يبيحه في حالة الحاجة الشخصية التي لا تتجاوز محلها فهو ترجيح مقيد بالحاجة طبقاً لشروط الترجيح بالحاجة التي نقلناها عن مالك.

الموسوعة الفقهية الكويتية – (ج 7 / ص 213) :

وفي الأشباه لابن نجيم ، ومثله في المنثور للزّركشيّ : ما حرم أخذه حرم إعطاؤه ، كالرّبا ومهر البغيّ وحلوان الكاهن والرّشوة للحاكم إذا بذلها ليحكم له بغير الحق ، إلاّ في مسائل في الرّشوة لخوفٍ على نفسه أو ماله أو لفك أسيرٍ أو لمن يخاف هجوه . وينبغي أن يكون مثله إعطاء الرّبا للضّرورة فيأثم المقرض دون المقترض.

بندہ احمد افنان عفی عنہ

دار الافتاء جامعۃ الرشید

۲۳ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ

یہ تحریر دار الافتاء میں چند رفقاء کے مشورہ سے مرتب کی گئی ہے لہذا حضرت والا مدظلہم کی رائے گرامی معلوم کرنے کے لئے خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

محمد عفی عنہ

دار الافتاء جامعۃ الرشید کراچی

۱۴۳۴ھ

۲۹ ذی الحجہ

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً و مصلیاً

اگر کسی شخص کے پاس رہنے کیلئے کرایہ کا مکان موجود ہو، لیکن وہ ذاتی مکان خریدنا چاہتا ہے تو اس مقصد کیلئے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ سود کی حرمت نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ البتہ اگر "ضرورتِ شدیدہ" پیش آجائے مثلاً کسی کے پاس سر چھپانے کیلئے بھی جگہ نہ ہو اور نہ اس کے پاس خریدنے کی استطاعت ہو، اور کوئی بلا سود قرض دینے پر بھی راضی نہ ہو اور نہ ہی کسی جائز طریقہ مثلاً کرایہ وغیرہ سے رہنے کیلئے مکان مل رہا ہو تو چونکہ سخت ضرورت کی حالت میں جس طرح دیگر محرّمات کے ارتکاب کی بقدرِ ضرورت اجازت ہوتی ہے اِسی طرح سودی قرض لیکر مکان خریدنے کی بھی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن صرف اس بنیاد پر کہ "مکان ذاتی نہیں اور زندگی بھر کرایہ ادا کرتے رہنے کی وجہ سے کچھ رقم پس انداز نہیں ہو سکے گی" سودی قرض لینے کی اجازت نہیں، کیونکہ یہ کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جس کی وجہ سے ربوٰا محرّم کی اجازت دی جائے، اور نہ ہی یہ کوئی ایسی مضرّت ہے کہ سود دیئے بغیر دور کرنا ممکن نہ ہو، ہاں البتہ ذاتی گھر ہونا ایک حاجت ہے، لیکن یہ حاجت پوری کرنے کیلئے کسی حرام کے ارتکاب کی اجازت نہیں۔

البتہ اس کے متبادل کے طور پر مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے:

(الف): ایک متبادل طریقہ تو وہی ہے جو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم نے فتاویٰ عثمانی میں تجویز فرمایا ہے کہ کسی بینک یا مالیاتی ادارے سے گفت و شنید کے نتیجہ میں یہ طے کر لیا جائے کہ بینک پہلے خود قسطوں پر مکان خرید کر اس پر قبضہ کر لے، پھر خریدار کو قسطوں پر فروخت کر دے اور مکان کی قیمت بازاری قیمت سے جتنی زیادہ مناسب سمجھے مقرر کر لے، معاملہ کرتے وقت اس مکان کی کُل قیمت اور قسطوں کا تعین کر لیا جائے۔ اس طرح خریدار کو مکان بھی مل جائے گا اور بینک اپنا نفع بھی رکھ لے گا۔ (فتاویٰ عثمانی: ۳/۳۱۰)

(ب): البتہ اگر بینک سے اس طرح معاملہ کرنا مشکل ہو تو اس کا دوسرا حل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں کے مسلمان تاجر مل کر آپس میں ایک یونین اور ویلفیئر ٹرسٹ بنائیں جو کہ ایک شخص معنوی کی حیثیت سے اپنا مستقل شرعی و قانونی وجود رکھتا ہو، اور اس ٹرسٹ کے اصول و ضوابط بھی طے کیے جائیں، اور ٹرسٹ کے ممبران ادارہ میں بطورِ مضاربت اپنی رقوم جمع کروائیں، ادارہ ان رقوم میں سے کچھ رقم کسی نفع بخش کاروبار میں لگائے اور

(جاری ہے۔۔۔)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

بقیہ کچھ رقم سے کسی حاجتمند مسلمان کو مکان خرید کر "شرکتِ متناقصہ" کے طریقہ پر فروخت کردے، اس طرح کچھ عرصہ میں حاجتمند مسلمان جائز طریقہ سے گھر کا مالک ہو جائے گا، اور مسلمان تاجروں کو بھی مضاربت کا نفع ملے گا۔

(ج) : تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہاں کے مسلمان اپنی زکوٰۃ وصدقات سے حاجتمند مسلمانوں کی مدد کریں، اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ:

(i): ذاتی گھر کیلئے حاجتمند شخص اگر اتنا غریب ہو کہ وہ شرعی لحاظ سے مستحقِ زکوٰۃ بھی ہو تو اس صورت میں مسلمان تاجر اپنی زکوٰۃ وصدقات کی رقوم جمع کرکے اُس مستحق شخص کو گھر خرید کردے دیں، اس طرح مسلمان تاجروں کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور ایک حاجتمند شخص کی حاجت بھی پوری ہو جائے گی۔

(ii) : اگر وہ شخص شرعی لحاظ سے مستحقِ زکوٰۃ نہیں ہے مثلاً اس کی ملکیت میں ضرورت سے زائد نصاب کے بقدر مال ہے لیکن گھر خریدنے کیلئے ناکافی ہے، تو اس صورت میں یہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ گھر خرید کر بائع کی رضامندی سے تحریری طور پر یہ طے کرلے کہ مکان کی کچھ قیمت فوری ادا کی جائے گی اور بقیہ قیمت (مثلاً) کچھ دنوں بعد ادا کی جائے گی، (اس طرح مکان خریدنے کے بعد مکان کا ثمن اس کے ذمہ دَین ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں وہ مستحقِ زکوٰۃ ہو جائے گا) پھر جس حد تک رقم یہ شخص ادا کر سکتا ہو، کردے اور بقیہ قیمت دیگر مسلمان اپنی زکوٰۃ سے ادا کردیں وذلک یکون أداء الدین عن الفقیر بإذنه.

(د) : چوتھی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر مذکورہ حاجتمند شخص مستحقِ زکوٰۃ نہ ہو تو مذکورہ شخص اور اس کے ساتھ کوئی ایک یا چند مسلم تاجر مل کر مکان خریدیں جس کے نتیجہ میں اُن کی مکان میں شرکتِ مِلک قائم ہو جائے گی۔ مکان خریدنے کے بعد مذکورہ شخص کے علاوہ خریداری میں شریک دیگر فرد یا افراد اپنا حصہ "مرابحہ مؤجلہ" یا "شرکتِ متناقصہ" کے طریقہ پر اس شخص کو فروخت کردیں۔

(جاری ہے۔۔۔)

دار الافتاء

اب سوال کے ساتھ منسلکہ تحریر میں درج نکات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

۱۔۔۔ سوال کے ساتھ منسلکہ تحریر میں قنیہ کا جو جزئیہ ذکر کیا گیا ہے اس میں "محتاج" سے مراد اگر "مضطر" ہے، تب تو اس سے زیرِ بحث مسئلہ میں سودی قرض لینے کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ "ذاتی مکان نہ ہونا" اضطرار کی کیفیت میں داخل نہیں ہے، اور اگر مذکورہ جزئیہ میں "محتاج" سے یہ مراد لیا جائے کہ ضرورتِ شدیدہ کے علاوہ بوقتِ حاجت بھی سود پر قرض لیا جاسکتا ہے تو اس معنیٰ میں قنیہ کے مذکورہ جزئیہ سے استدلال مندرجہ ذیل دو وجوہ سے قابلِ قبول نہیں ہوگا:

(الف)۔۔۔ یہ جزئیہ سود کی حرمت کے متعلق وارد نصوص کے خلاف ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ نصوصِ صریحہ کی مخالفت کی صورت میں اس جزئیہ کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

(ب)۔۔۔ حاجت کی بنیاد پر کسی حکم شرعی میں تبدیلی کی دو شرطیں ہیں: (۱)۔۔ قرآن و سنّت اور فقہاءِ کرامؒ کے کلام میں اس حاجت کا اعتبار کیا گیا ہو۔ (۲)۔۔ اصل حکم صراحۃً قرآن و سنت میں منصوص نہ ہو، بلکہ محتمل ہو یا مجتہد فیہ ہو۔ باقی وہ مسائل جو منصوص قطعی اور غیر مجتہد فیہ ہیں، ان میں حاجت کی وجہ سے حکم شرعی میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ (کمافی اصول الافتاء وآدابہ: ص ۲۷۱) اور ظاہر ہے کہ سود کی حرمت قطعی اور نصِ صریح سے ثابت ہے اور اس کی حرمت مجتہد فیہ بھی نہیں، (دار الحرب میں اگرچہ حضراتِ طرفین کے نزدیک سودی معاملہ کرنے کی گنجائش ہے لیکن درحقیقت انہوں نے اس بنیاد پر معاملہ کی اجازت دی ہے کہ دار الحرب میں حربی کا مال غیر معصوم اور غیر متقوم ہے اس لئے ان کا مال لینا گویا مباح مال قبضہ میں لے کر اس کا مالک بننا ہے، درحقیقت یہ ربوا کا معاملہ ہے ہی نہیں، کمافی بدائع الصنائع) اس لئے حاجت کی بنیاد پر سودی معاملہ کی اجازت نہیں۔

لہٰذا نصوصِ قطعیہ اور مذکورہ جزئیہ کے درمیان تطبیق کا تقاضا یہی ہے کہ قنیہ کے اس جزئیہ کو "مضطر" پر محمول کیا جائے، ورنہ بصورتِ دیگر اس جزئیہ کی بنیاد پر حاجتوں کے پورا کرنے کیلئے سودی قرض کا دروازہ کھل جائے گا، جس کی قباحت کسی صاحبِ عقل سے مخفی نہیں۔ ہمارے اکابرؒ کے فتاوی میں سے کفایت المفتی میں بھی مجبوری کی تفسیر "اضطرار" سے کی گئی ہے۔

کفایت المفتی (۱۹۱/۱۱):

سوال: سود پر روپیہ قرض لینا حالتِ مجبوری میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: سود پر روپیہ قرض لینا جائز نہیں، الّا یہ کہ اضطراری حالت ہو جائے۔

(جاری ہے۔۔۔)

Scanned by CamScanner

Scanned with CamScanner

۲۔۔۔ جہاں تک بعض عرب علماء کے ''المشقة تجلب التيسير'' اور'' الحرج مدفوع'' کی بنیاد پر جواز کے فتویٰ کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حرج اور مشقت کا وہاں اعتبار ہوتا ہے جہاں کوئی نص نہ ہو، لیکن جہاں نص موجود ہو تو اس نص کے خلاف کرتے ہوئے حرج اور مشقت کو دور نہیں کیا جائے گا، اِسی طرح جہاں نص موجود ہو وہاں خلافِ نص عمومِ بلویٰ کا بھی اعتبار نہیں ہوگا کما فی الاشباہ: المشقة والحرج إنما يعتبران في موضع لا نص فيه وأما مع النص بخلافه فلا.....وقال في الأنجاس إن الإمام يقول بتغليظ نجاسة الأرواث لقوله عليه السلام إنها ركس أي نجس ولا اعتبار عنده بالبلوى في موضع النص كما في بول الآدمي : فإن البلوى فيه أعم انتهى، (الاشباه والنظائر لإبن نجيم: ١٠٤/١)

اور سود کی حرمت پر چونکہ نص صریح موجود ہے، اس لئے اگر سود سے بچنے میں مشقت اور حرج ہو تب بھی اسے برداشت کیا جائے گا، اس حرج سے بچنے کیلئے سودی معاملہ کی اجازت نہ ہوگی، اِلّا فی موقع الضرورة

۳۔۔۔ جہاں تک ''موسوعۃ فقہیۃ'' کے اس جزئیہ کا تعلق ہے جس میں ''اعطاء الربوٰ'' کو ''اعطاء الرشوة'' کے ساتھ ملحق کیا ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ موسوعۃ فقہیۃ کا یہ جزئیہ در حقیقت اُس قاعدہ کا نتیجہ ہے جو ''الاشباہ والنظائر'' اور ''المنثور فی القواعد للزرکشی'' میں بیان کیا گیا ہے اور وہ قاعدہ ہے ''ما حرم أخذه حرم إعطاؤه'' یعنی جو چیز لینا حرام ہے وہ کسی اور کو دینا بھی حرام ہے، جیسے رشوت، سود وغیرہ، پھر رشوت کی کچھ استثنائی صورتیں ذکر کی گئی ہیں جن میں رشوت دینے کی گنجائش ہے، لیکن لینے والے کیلئے بہر حال لینا حرام ہے، ان عبارات میں صرف اتنی بات یعنی اعطاءِ رشوت کی استثنائی صورت مذکور ہے، ''ربا'' کی کوئی استثنائی صورت ذکر نہیں کی گئی تھی جبکہ مثالوں میں ربا کا ذکر بھی موجود تھا، اس لئے بعد میں آنے والوں نے نتائج اخذ کرتے ہوئے ربا کی استثنائی صورت کو بھی ذکر فرمایا، چنانچہ موسوعۃ فقہیۃ میں اس کا نتیجہ یہ ذکر کیا گیا کہ:

وينبغي أن يكون مثله إعطاء الربا للضرورة فيأثم المقرض دون المقترض .

کہ جس طرح ضرورت کی وجہ سے رشوت دینے کی گنجائش ہے اِسی طرح ضرورت کی وجہ سے سود دینا بھی جائز ہے۔

لیکن واضح رہے کہ اس عبارت میں بھی صرف ''ضرورت'' کی بنیاد پر سود دینے کی گنجائش بیان فرمائی گئی ہے، حاجت کیلئے سود دینے کی گنجائش یہاں مذکور نہیں، اس کی تائید علامہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کے کلام سے بھی ہوتی ہے:

(جاری ہے۔۔۔)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

Scanned with CamScanner

قلت: و قد قالت الفقهاء بجواز اعطاء الرشوة للمضطر لدفع مضرة لا تندفع الّا باعطائها ، و اما اخذ الرشوة فلا يجوز بحال، والربا والرشوة من باب واحد، فمقتضاه ان يجوز اعطاء الربا للمضطر لدفع مضرة لاتندفع الا باعطائه، و اما اخذ الربا فلا يجوز اصلا، و هٰذا وجه آخر فارق بين اخذ الربا و اعطائه، فالاول حرام فی کل حال ، والثانی حرام یسقط حرمته عند الاضطرار، و اما جواز اخذ الربوا للمسلم من الحربی فتسمیته بالربا مجاز، والّا فهو لیس من الربوا عند القائل بجوازه، والله سبحانه وتعالیٰ اعلم، ظفر احمد عفی عنه، (امداد الاحکام:۳/۴۸۷)

۴۔۔۔ جہاں تک جدید فقہی مسائل کا تعلق ہے جس میں حاجت کی وجہ سے سودی قرض لینے کی اجازت دی گئی ہے تو سیاق وسباق دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں بھی جواز کی بنیاد در حقیقت "قنیہ" کا مذکورہ جزئیہ اور عمومِ بلوٰی، اور دفعِ مشقت ہے، جس کا جواب اوپر گذر چکا ہے۔ نیز اس میں اشباہ کے جزئیہ "الحاجة تنزل منزلة الضرورة" کو بھی بنیاد بنایا گیا ہے، لیکن اس قاعدہ کی بنیاد پر بھی کسی منصوص قطعی حکم میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے "اصول الافتاء وآدابہ" میں اس پر کلام فرمایا ہے۔

۵۔۔۔ جہاں تک "المجلس الاروبی للافتاء والبحوث" کے فتویٰ کا تعلق ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اس فتوی میں جواز کی بنیاد دو باتوں پر رکھی گئی ہے:

۱۔ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے "الضرورات تبیح المحظورات" اور "الحاجة تنزل منزلة الضرورة"۔

۲۔ دار الاسلام میں حضراتِ طرفین رحمہما اللہ کے مسلک کے مطابق عقودِ فاسدہ (جن میں سودی معاملہ بھی شامل ہے) کا جواز۔

پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ "گھر" یعنی انسان کے پاس رہنے کیلئے فی نفسہٖ جگہ ہونا "ضرورت" میں داخل ہے، لیکن یہ ضرورت تو ذاتی گھر کے علاوہ کرائے کے مکان سے بھی پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا "گھر کا ذاتی ہونا" ایسی ضرورت نہیں جس کی وجہ سے سود دینے کو جائز قرار دیا جائے، لہٰذا الضرورات تبیح المحظورات والا قاعدہ یہاں جاری نہ ہو گا۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ حضراتِ طرفین کے نزدیک دار الحرب میں عقودِ فاسدہ کی اجازت ہے لیکن یہ قول مفتیٰ بہ نہیں ہے، (لہٰذا مجلس افتاء کے فتوی میں اس قول کو جو مفتیٰ بہ کہا گیا ہے وہ درست نہیں) بلکہ مفتیٰ بہ قول

(جاری ہے۔۔۔)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

Scanned with CamScanner

دار الحرب میں بھی سودی لین و دین کے عدمِ جواز کا ہے، اور محققین اکابر علماءِ کرام نے بھی اِسی کو اختیار کیا ہے، اس لئے حضراتِ طرفینؒ کے قول کو بنیاد بنا کر ذاتی گھر خریدنے کیلئے سودی قرض لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، البتہ اگر کوئی واقعی ایسی ضرورت ہو جو شرعاً بھی "ضرورت" شمار ہوتی ہو تو مستند اہلِ افتاء کی رائے سے اس قول پر بھی عمل کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

مجلس کے اس فتوٰی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سود ایک معاشرتی معاملہ ہے، اور مسلمان شخصی احکام مثلاً عبادات، مطعومات، مشروبات، ملبوسات، نکاح، طلاق، عدت و میراث وغیرہ کے مسائل کے پورا کرنے کا پابند ہے، باقی شریعت کے تمدنی، مالی اور سیاسی احکام معاشرے میں قائم کرنے کا مکلف نہیں ہے۔ یہ بات بھی محلِ نظر ہے، کیونکہ سود کا معاملہ صرف معاشرتی معاملہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کی حرمت نصوصِ قطعیہ سے ثابت اور ہر مسلمان شخص اس سے بچنے کا مکلف ہے، اگر معاشرے میں سودی لین و دین ہو رہا ہو اور مسلمان اس پر نکیر کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود بھی اس معاملہ میں شامل ہو جائے، لہٰذا مسلمان پر اپنی ذات کی حد تک تو ہر حال میں سودی معاملہ سے بچنے کی کوشش کرنا لازم ہے۔

مجلس کے اس فتوٰی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمان اگر وہاں سودی معاملہ نہ کرے تو اس کا مسلمان ہونا اس کی معاشی بدحالی اور مالی نقصان کا ذریعہ بن جائے گا، کیونکہ اس کو ان لوگوں کے قوانین اپنے معاملات میں نافذ کرنے پڑیں گے، جب ان کی طرف سے کچھ مطالبہ ہوگا تو اس کو دینا پڑے گا، لیکن جب اس کے لینے کا وقت آئے گا تو اسلامی احکام کی وجہ سے نہ لے سکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سراسر نقصان ہوگا، حالانکہ الاسلام یزید ولا ینقص۔۔۔ الخ۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تب بھی اس سے زیرِ بحث مسئلہ پر استدلال اس وقت ممکن ہوتا جب مسلمان ان سے سود لے کر فائدہ حاصل کرتا، لیکن صورتِ مسئولہ میں تو مسلمان کو سود دینا پڑے گا جس میں مسلمان کا نقصان ہے، اس لئے اس بنیاد پر بھی سودی قرض لینے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

مجلس کے فتوٰی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ربا کی اصل حرمت کھانے سے متعلق ہے، کھلانے کی حرمت سدِ ذریعہ کے طور پر ہے، اور بوقتِ حاجت سود دیا جاسکتا ہے"، اس کے متعلق عرض ہے کہ اگرچہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ سود کھانے کی حرمت وشناعت سود کھلانے کی بنسبت زیادہ ہے لما فیہ من التمتع بالحرام، لیکن گناہ میں فرقِ مراتب کے باوجود نفسِ حرمت میں دونوں برابر ہیں، چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ

(جاری ہے۔۔۔)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

ایک سوال (سود لینے والے اور دینے والے دونوں پر عذاب برابر ہو گا یا کچھ فرق ہو گا؟) کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: اطلاقِ حدیث سے تو دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قال " لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء" رواہ مسلم مگر شراحِ حدیث کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ مقدارِ گناہ میں تفاوت ہے، اگرچہ نفسِ گناہ میں دونوں شریک ہیں كما فى المرقاة تحت الحديث المذكور فى الإثم وان كانوا مختلفين فى قدره الخ، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دینے والے کو تو صرف دینے کا گناہ ہو گا اور لینے والے کو لینے کا بھی اور اس کے صَرف واستعمال کا بھی، یا یہ کہ دینے والے کو بنسبت لینے والے کے کچھ اضطرار ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، لیکن جب دونوں میں گناہ ہے تو اب کم وزائد ہونے سے کچھ حرمت تو زائل نہیں ہوتی، جیسا کہ پائخانہ بھی گندہ ہے اور پیشاب بھی گندہ ہے، اگرچہ ایک دوسرے سے زیادہ گندہ ہے مگر گندگی دونوں میں ہے، سب سے بچنا چاہئے۔ (امداد الفتاوی: ۳/۱۶۴)

لہٰذا جس طرح سود لینا حرام ہے اِسی طرح سود دینا بھی فی نفسہٖ حرام ہے، اور ظاہر ہے کہ حاجت کی بنیاد پر ارتکابِ حرام کی اجازت نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس رہنے کیلئے کوئی جگہ ہو، خواہ وہ کرایہ کی ہی کیوں نہ ہو تو ایسے شخص کیلئے ذاتی گھر خریدنے کیلئے سودی قرض لینا جائز نہیں، البتہ اس کے متبادل کے طور پر تجویز کردہ جائز طریقوں میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

بدائع الصنائع – (٥ / ١٩٢) (فصل وأما شرائط جريان الربا)

ولهما أن مال الحربي ليس بمعصوم بل هو مباح في نفسه إلا أن المسلم المستأمن منع من تملكه من غير رضاه لما فيه من الغدر والخيانة فإذا بذله باختياره ورضاه فقد زال هذا المعنى فكان الأخذ استيلاء على مال مباح غير مملوك وأنه مشروع مفيد للملك كالاستيلاء على الحطب والحشيش وبه تبين أن العقد ههنا ليس بتملك بل هو تحصيل شرط التملك وهو الرضا لأن ملك الحربي لا يزول بدونه وما لم يزل ملكه لا يقع الأخذ تملكا لكنه إذا زال فالملك للمسلم يثبت بالأخذ والاستيلاء لا بالعقد فلا يتحقق الربا لأن الربا اسم لفضل يستفاد بالعقد

(جاری ہے۔۔۔)

Scanned by CamScanner
Scanned with CamSca

الأشباه والنظائر – حنفي – (١ /١٨٢)

القاعدة الرابعة عشرة : ما حرم أخذه حرم إعطاؤه

كالربا و مهر البغي و حلوان الكاهن و الرشوة و أجرة النائحة و الزامر إلا في مسائل : الرشوة لخوف على نفسه أو ماله أو ليسوي أمره عند السلطان أو أمير إلا للقاضي فإنه يحرم الأخذ و الإعطاء كما بيناه في شرح الكنز من القضاء وفك الأسير و إعطاء شيء لمن يخاف هجوه

غمز عيون البصائر – (١ / ٤٤٩)

قوله الرشوة لخوف على ماله إلخ

هذا في جانب الدافع أما في جانب المدفوع له فحرام ولم ينبه عليه كذا قيل أقول إنما لم ينبه عليه لظهوره إذ لا ضرورة في جانب المدفوع له وينبغي أن يستثنى الأخذ بالربا للمحتاج فإنه لا يحرم كما صرح به المصنف رحمه الله في البحر ويحرم على الدافع الإعطاء بالربا

المنثور في القواعد – الزركشي – (٣ / ١٤٠)

ما حرم على الاخذ أخذه حرم على المعطى إعطائه

كأجرة النائحة والزمار والرشوة للحاكم إذا بذلها ليحكم له بغير الحق ويستثنى صور لا تحرم على الدافع وان حرم على الاخذ كالرشوة للحاكم ليصل إلى حقه وكفك الأسير واعطاء شيء لمن يخاف هجوه

الموسوعة الفقهية الكويتية – (٦ / ١٦٦)

وفي الأشباه لابن نجيم ، ومثله في المنثور للزركشي : ما حرم أخذه حرم إعطاؤه ، كالربا ومهر البغي وحلوان الكاهن والرشوة للحاكم إذا بذلها ليحكم له بغير الحق ، إلا في مسائل في الرشوة لخوف على نفسه أو ماله أو لفك أسير أو لمن يخاف هجوه . (١) وينبغي أن يكون مثله إعطاء الربا للضرورة فيأثم المقرض دون المقترض.

الأشباه والنظائر – حنفي – (١ / ١٠٤)

المشقة والحرج إنما يعتبران عند عدم النص

الفائدة الثالثة : المشقة والحرج إنما يعتبران في موضع لا نص فيه وأما مع النص بخلافه فلا ولذا قال أبو حنيفة و محمد رحمهما الله بحرمة رعي حشيش الحرم وقطعه إلا الإذخر وجوز أبو يوسف رحمه الله رعيه للحرج ورد عليه بما

(جاری ہے۔۔۔)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

Scanned with CamScanner

ذكرناه وذكره الزيلعي في جنايات الإحرام وقال في الأنجاس إن الإمام يقول، بتغليظ نجاسة الأرواث لقوله عليه السلام إنها ركس أي نجس ولا اعتبار عنده بالبلوى في موضع النص كما في بول الآدمي : فإن البلوى فيه أعم انتهى

وفي شرح منية المصلي : من المتأخرين من زاد في تفسير الغليظة على قول أبي حنيفة رحمه الله ولا حرج في اجتنابه كما في الاختيار وفي الغليظة على قولهما ولا بلوى في إصابته كما في الاختيار أيضا وفي المحيط : وهي زيادة حسنة يشهد لها بعض فروع الباب والمراد بقوله : ولا حرج في اجتنابه ولا بلوى في إصابته على اختلاف العبارتين إنما هو بالنسبة إلى جنس المكتفين فيقع الاتفاق على صدق القضية المشهورة وهي : إن ما عمت بليته خفت قضيته انتهى

عمدة القاري شرح صحيح البخاري – (٣٠ / ٢٧٧)

والموكل المطعم والآكل الآخذ وإنما سوى في الإثم بينهما وإن كان أحدهما رابحا والآخر خاسرا لأنهما في فعل الحرام شريكان متعاونان

مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح – (٩ / ٢٩٤)

قال الخطابي سوى رسول الله بين آكل الربا وموكله إذ كل لا يتوصل إلى أكله إلا بمعاونته ومشاركته إياه فهما شريكان في الإثم كما كانا شريكين في الفعل وإن كان أحدهما مغتبطا بفعله لما يستفضله من البيع والآخر منهضما لما يلحقه من النقص ولله عز وجل حدود فلا تتجاوز في وقت الوجود من الربح والعدم وعند العسر واليسر والضرورة لا تلحقه بوجه في أن يوكله الربا لأنه قد يجد السبيل إلى أن يتوصل إلى حاجته بوجه من وجوه المعاملة والمبايعة ونحوها قال الطيبي رحمه الله لعل هذا الاضطرار يلحق بالموكل فينبغي أن يحترز عن صريح الربا فيثبت بوجه من وجوه المبايعة لقوله تعالى وأحل الله البيع وحرم الربا البقرة لكن مع وجل وخوف شديد عسى الله أن يتجاوز عنه ولا كذلك الآكل وكاتبه وشاهده قال النووي فيه تصريح بتحريم كتابة المترابيين والشهادة عليهما بتحريم الإعانة على الباطل وقال أي النبي هم سواء أي في أصل الإثم وإن كانوا مختلفين في قدره

تكملة فتح الملهم (١/ ٥٧٤) : باب لعن آكل الربا و مؤكله

قوله: (ومؤكله) يعنى : الذى يؤدى الربا إلى غيره، فإثم عقد الربا والتعامل به سواء فى كل من الآخذ والمعطى، ثم أخذ الربا أشد من الإعطاء، لما فيه من التمتع

(جاری ہے۔۔۔)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

بالحرام، ولهذا جاز إعطاءه عند الضرورة الشديدة، كما فی شرح الأشباه والنظائر للحموی وغیره

فی اصول الافتاء وآدابه:(ص: ٢٧٠ تا ٢٧٣) **للشیخ المفتی محمد تقی العثمانی حفظه الله تعالیٰ**

اما الحاجة فهی الداعیة التی یترتب علی عدم الاستجابة لها ضیق و حرج و عسر و صعوبة ، و ان لم یکن ذلک الحرج یؤدی الی تلف النفس او المال، ثم الحاجة علی قسمین: حاجة عامة ، و حاجة خاصة، اما الحاجة العامة فما یحتاج الیها الناس جمیعا او اکثرهم، والحاجة الخاصة ما یحتاج الیها فئة من الناس ، کأهل مدینة معینة أو أرباب حرفة معینة،أو یحتاج إلیها فرد أو أفراد محصوزون، وقد قرّر الفقهاء ان الحاجة العامة أو الخاصة ربما تؤثر فی تغییر الاحکام و جلب التیسیر کتأثیر الضرورة، ولم أر فی شئی من کتب الفقه من أوضح وجه الفرق بین تأثیر الضرورة و تأثیر الحاجة ولکن الذی یظهر لهذا العبد الضعیف عفا الله عنه ان الحاجة إنما تعتبر مؤثرة فی تشریع بعض الاحکام الشرعیة أو فی تغیرها فی حالتین:

الحالة الاولیٰ: أن تکون نصوص القرآن والسنة صرّحت بنفسها باعتبار تلک الحاجة ، و ذلک مثل جواز السلم، فإن السلم فی الاصل بیع معدوم و هو لا یجوز، وإنما شرع السلم دفعاً لحاجة الناس، و قد نطق باباحته القرآن و السنة، وکذلک ابیح لبس الحریر للرجال فی الجرب والمرض ، وقد صرح به الحدیث النبوی الشریف، ویلحق بهذه الحالة ما صرح الفقهاء باعتباره فی الاحکام، مثل فسخ الاجارة بالأعذار أو بقاءها للحاجة،وقد ذکر الأتاسی رحمه الله تعالیٰ أمثلة کثیرة من هذا النوع تحت قاعدة: '' المشقة تجلب التیسیر''۔

والحالة الثانیة: أن یکون أصل الحکم محتملا غیر صریح فی الکتاب والسنة، أو مجتهدا فیه، فترجح الإباحة فی مواضع الحاجة، ذلک مثل کشف المرأة عن وجهها، فانه لایجوز فی الاصل، ولکن حکم الاصل هذا مبنی علی نصوص محتملة غیر صریحة، ولذلک اصبحت المسئلة مجتهدا فیها، وأجازه بعض الفقهاء، فإن جانب الإجازة وإن کان مرجوحا فی نفس الأمر،غیر أنه یزجح فی مواضع الحاجة،ولذلک أفتی فقهاء الحنفیة بجواز کشف الوجه للمرأة عند أداء الشهادة، وعند الازدحام الشدید التی لاتتمکن المرأة معه المشی فی الطریق عند أداء الحج۔ أما فی المسائل المنصوصة القطعیة التی لیست محل اجتهاد، فالظاهر أن الحاجة لاتؤثر فیها إلّا إذا بلغت مرتبة الضرورة ۔ وقد ذکر بعض الفقهاء أن الحاجة تنزل

(جاری ہے۔۔۔)

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

منزلة الضرورة عامة كانت أو خاصة[1]، وظاهر لفظ هذه القاعدة عام جدا، حتى أنه اشتبه على بعض الناس أن الحاجة مؤثرة فى تحليل بعض المحرمات القطعية، مثل أكل الميتة والخنزير فى حالة الاضطرار، ولكن الذى يظهر من الأمثلة التى ذكرها الفقهاء تحت هذه القاعدة أن هذا ليس بمراد، وإلّا لجاز كل محرم قطعى استدلالا بأن الحاجة ولو كانت خاصة تقتضى ذلك، و هذا يؤدى إلى خلع ربقة الشريعة بأسرها، ولكن المقصود من هذه القاعدة بيان حكمة بعض الأحكام التى ثبتت إما بالنصوص، أو بالتعامل المستمر خلاف القياس، مثل بيع السلم والإجارة والاستصناع وغيرها، فإن هذه العقود إنما شرعت خلاف أصل القياس الظاهر، لأنها تشتمل على بيع المعدوم، ولكن الشريعة استثنت هذه العقود من حكم بيع المعدوم لحاجة الناس ، فهذا يدل على أن الشريعة الغرّاء قد راعت فى احكامها حاجة الناس، فأباحت كثيرا من العقود لإنجاز حاجاتهم. وما ذكرناه يتضح بالأمثلة التى ذكرها الفقهاء الذين ذكروا هذه القاعدة، فإنهم لم يوردوا حكما إلّا و هو ثابت إما بالكتاب والسنة، أو بالتعامل. فثبت بذلك أن تنزيل الحاجة منزلة الضرورة فى بعض الأحكام لابد له من دليل شرعى آخر، مثل أن يرد به نص، أو يثبت الحكم بالعرف والتعامل، وليس المراد أن يثبت به حكم معارض لنص قطعى.

والذى يبدو لهذا العبدالضعيف عفا الله عنه أن هذه القاعدة فيها نظر من وجوه:

الاول: أننا لو أخذنا القاعدة بظاهرها، لم يكن هناك فرق بين الضرورة والحاجة مع أنه خلاف ماتفق عليه الجميع.

الثانى: أن الضرورة المصطلحة فقها إنما ترخص فى عمل محرم رخصة موقتة بقدر الضرورة، كما هو مصرح فى قول الله سبحانه:(غير باغ ولاعاد)، مع أن الأمور التى ذكرو إباحتها تنزيلا للحاجة منزلة الضرورة ليست موقتة، بل هى احكام دائمة لا تتقيد بوقت مثل جواز السلم أو الاستصناع وغيرهما، فكيف يقال إن الحاجة إليها نزلت منزلة الضرورة فى جميع أحكامها.

الثالث: الأمثلة التى ذُكرت تحت هذه القاعدة كلها مستندة إلى نص أو تعامل، وما ذكروا من الأمثلة التى لم تثبت نصيا، مثل الجواز للمحتاج أن يستقرض بالربا، فإنه لا يباح له ذلك إلّا فى حالة الاضطرار، فيندرج تحت الضرورة المصطلحة دون الحاجة المحضة. وكذلك قد ذكر ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ جواز بيع الوفاء تحت

(جاری ہے۔۔۔)

[1] الأشباه والنظائر مع شرح الحموى

Scanned by CamScanner

هذه القاعدة، ولكنه أولا مختلف فيه، وثانيا:من أجازه إنما أجازه على أن الشرط المتعارف لا يفسد العقد۔

ولذلک قال الشیخ أحمد الزرقاء رحمه الله تعالى فی شرح هذه القاعدة: "والظاهر أن مايجوز للحاجة إنما يجوز فيما ورد فيه نص يجوّزه أو تعامل أو لم يرد فيه شئى منهما ولكن لم يرد فيه نص يمنعه بخصوصه و كان له نظير فی الشرع يمكن الحاقه به و جعل ما ورد فی نظيره واردا فيه".............. والله سبحانه وتعالى أعلم بالصواب

محمد حذیفه عفا الله عنه

دار الافتاء جامعه دار العلوم کراچی

۲۸۔ صفر المظفر۔ ۱۴۳۵ھ

یکم۔ جنوری ۲۰۱۴ء

یہ جواب بندے کی ہدایت پر لکھا گیا ہے اور بندہ کے خیال میں درست ہے۔ اس رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہ اعلم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۸-۲-۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفر اللہ
۲۸/۲/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
بندہ عبد المنان عفی عنہ
۲۸/۲/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
[illegible]
۲-۳-۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
محمد عبد اللہ [illegible]
۳-۳-۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
[illegible]
۲/۳/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
[illegible]
۲/۳/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
محمد یعقوب [illegible]
۳/۳/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح
[illegible]
۵/۳/۱۴۳۵ھ